بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

سربراہِ مملکت وقائدین سے عدالتی باز پرس اور اسلام

۶/اکتوبر ۲۰۰۷ء کو جنرل پرویز مشرف کا جاری کردہ نام نہاد 'قومی مفاہمتی آرڈیننس' NRO ملکی حلقوں کی گرما گرم بحث کا موضوع ہے۔ اس سے قبل ۳/نومبر ۲۰۰۷ء کو اعلیٰ عدلیہ کے ۵۵ کے قریب جج حضرات کو فارغ کرکے جنرل مشرف نے جس نئی عدلیہ کو متعین کیا تھا، عدالتی حلقوں میں گذشتہ چند ماہ سے ان جج حضرات سے باز پرس بھی کی جارہی ہے اور ان میں سے کئی جج حضرات یا تو سبک دوش کردیے گئے ہیں یا وہ عدالتِ عظمیٰ سے معافی کی درخواستیں پیش کررہے ہیں۔ ۲۸/نومبر ۲۰۰۹ء این آر او سے مستفید ہونے والوں کے تحفظ کی آخری تاریخ تھی جس دن حالیہ صدر نے ۲۸/آرڈیننس جاری کرکے حکومت کی زمامِ کار بظاہر وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو سونپ دی ہے۔ بظاہر ان آرڈیننسوں کے اجرا میں سابقہ تحفظ کی توسیع کو نئی قانونی شکل دینے کے لئے کئی مزید اقدامات کی توقع کی جارہی ہے۔ ایک طرف صدر زرداری کے خصوصی معتمدین جنیوا سے سوئس منی لانڈرنگ کیس کے مستند ریکارڈ اپنے قبضہ میں کررہے ہیں جس کی لحہ بہ لحہ تفصیل روزنامہ جنگ میں یکم دسمبر ۲۰۰۹ء کو شائع ہوچکی ہے تو دوسری طرف عدالتِ عظمیٰ نے بھی این آر او کا مسئلہ ۷ دسمبر کو اپنے ہاں طلب کرلیا ہے اور یہ عندیہ دیا ہے کہ عدلیہ کسی شخصیت سے قانون سے بالاتر اور امتیازی سلوک نہیں کرے گی۔

این آر او میں ۹ ہزار کے قریب ممتاز سیاستدانوں اور بیوروکریٹس کی بدعنوانیوں کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے جن میں سے ۷۹۳۷ افراد کا تعلق صوبہ سندھ سے ہے۔ اس بدنام زمانہ صدارتی آرڈیننس کے علاوہ ایک کھرب اور ۶۵ ارب روپے کی دولت بھی اپنے قرضے معاف کراکے قومی خزانے سے ہضم کی جارہی ہے۔ بدعنوان سیاستدان ایک دوسرے کے تحفظ کے لئے سیاسی سمجھوتے اور مخالفانہ بیان بازی کی روک تھام کررہے ہیں۔ ملک میں ان دنوں

www.KitaboSunnat.com

باز پرس اور احتساب کی فضا طاری ہے۔ سیاست اور عدالت کے ایوان تطہیر کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔

اسی تناظر میں یہ مسئلہ بھی خصوصیت سے زیر بحث آرہا ہے کہ کیا سربراہِ مملکت قانون سے بالاتر ہے؟ اور عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ ہے؟ یا عدالت اسے بھی طلب کرسکتی ہے اور اسے بھی قانون کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے؟ بالخصوص گھمبیر کرپشن میں ملزم صدر زرداری کے سابقہ وکلا اس آئینی تحفظ کا بار بار سہارا لے رہے ہیں کہ صدرِ مملکت قانونی گرفت سے بالاتر ہیں، اس لئے ان کے بارے میں بحث مباحثے اور قانونی باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بحث مباحثہ کا یہ سلسلہ اس وقت جاری ہوا جب سپریم کورٹ بار کے سابق صدر بیرسٹر اعتزاز احسن نے جیو ٹی وی کے مقبول پروگرام 'میرے مطابق' میں این آر او کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ممتاز ٹی وی اینکر ڈاکٹر شاہد مسعود کو بتلایا کہ دنیا کے تمام ممالک کا یہ قانون ہے کہ جب تک کوئی شخص مملکت کا سربراہ ہے، اس وقت تک وہ کسی بھی قانون کی گرفت سے بالاتر ہے اور وہ عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ ہے، چونکہ وہ عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا عدالت میں اپنا دفاع نہیں کرسکتا اور اس وجہ سے اس پر مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا۔ اِعتزاز احسن صاحب کے اس انکشاف پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر شاہد مسعود نے پوچھا: سربراہِ مملکت اگر اپنے بیوی، بچوں کو قتل کردے، بندوق اُٹھا کر لوگوں پر گولیاں برسانا شروع کردے تو کیا تب بھی وہ قانون کی گرفت میں نہیں آئے گا اور اس پر مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا؟

بیرسٹر اعتزاز احسن کا جواب اب بھی یہی تھا کہ ہاں! جب تک کوئی شخص سربراہِ مملکت یا صدر کے عہدے پر فائز ہے، اس وقت تک وہ کسی بھی قانون کی گرفت سے بالاتر ہے اور عدالت اسے طلب نہیں کرسکتی، البتہ پارلیمنٹ اس کا مؤاخذہ کرسکتی ہے اور اگر اس مؤاخذے میں وہ اپنا دفاع کرنے میں ناکام ہوکر منصب سے علیحدہ ہوجاتا ہے تو تب عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر شاہد مسعود کی یہ حیرت بالکل فطری تھی کیونکہ سربراہِ مملکت کو یہ تحفظ اور قانون سے استثنیٰ دینا قانونِ فطرت اور عدل و انصاف کے اُصولوں کے سراسر منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام جو دین فطرت ہے، اس میں سربراہِ ریاست (خلیفہ) سمیت کسی بھی عہدیدار کو عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا بلکہ اسلامی معاشرے میں ہر فرد کا محاسبہ کیا جاتا ہے۔

صدر مملکت کے علاوہ سیاسی قائدین اور جمہوری رہنماؤں کے بھی قانون کی گرفت میں آنے کے امکانات پیدا ہورہے ہیں۔ حکومت نے این آر او سے مستفید ہونے والوں کی جو فہرست شائع کی ہے اور قرضے معاف کرانے والوں کی جو فہرست منظر عام پر لائی گئی ہے، اس پر ایک نظر ڈالنے کے ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا ملکی قانون اس سلسلے میں کیا رجحان رکھتا ہے اور کیا ہم اس موقعہ پر انصاف کے تقاضے پورے کرسکیں گے۔

اسلام ہمارا دین ہے اور زمین کا یہ خطہ اسلام کے لئے ہی حاصل کیا گیا تھا۔ کتاب وسنت کو دستور میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ہمیں اس موقع پر یہ دیکھنا ہے کہ ہمارا دین ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے اور مسلم اُمہ کی تاریخی روایات کس رویہ کی علمبردار رہی ہیں۔ اگر ملکی قانون/آئین میں کوئی سقم بھی ہے تو پاکستان میں کتاب وسنت کے خلاف ہر قانون کو کالعدم قرار دینے کے لئے مستقل شرعی عدالتیں موجود ہیں، جن سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔

اسلام کی نظر میں تمام انسان مساوی ہیں اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، سوائے تقویٰ کے۔ اسلام کی نظر میں سربراہِ مملکت اور ایک عام مزدور آدمی دونوں برابر ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (الحجرات:۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عدالتوں نے نہ صرف وقت کے حکمرانوں کو عدالت میں طلب کیا، بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے خلاف فیصلے بھی صادر فرمائے۔ جن کو اُنہوں نے نہ صرف خندہ پیشانی سے قبول کیا بلکہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی عدالتوں کے ان عدل و انصاف پر مبنی فیصلوں کی توصیف وتعریف بھی فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان اسلامی عدالتوں کے عدل و انصاف پر مبنی فیصلوں سے متاثر ہونے والے متعدد لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسلامی نظامِ عدالت اور اسلامی عدالتوں کے عدل و انصاف پر مبنی شاندار فیصلے تاریخِ حق وصداقت کی پیشانی کا جھومر ہیں۔

قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کرنے اور حق کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (المائدۃ:۴۲)

''اور اگر آپ ان لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

ایک اور سورت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے لیے حق پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے ہو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔'' (المائدہ:۸)

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (الشوریٰ:۱۵)

''اور کہہ دیجئے! اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔'' مزید برآں

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (النحل:۹۰)

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔''

مذکورہ آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ کرتے وقت حکمران، قاضی یا ثالث پر عدل و انصاف کرنا فرض ہے جس میں ذاتی پسند و ناپسند کو دخل نہیں ہونا چاہئے۔ خواہ وہ فیصلہ اپنے

www.KitaboSunnat.com

کسی قریبی، رشتہ دار، دوست وغیرہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ نیز فریقین میں سے، جو حق پر ہو، اس کے حق میں فیصلہ کردیا جائے اور کسی قسم کے دباؤ یا مصلحت کو قبول نہ کیا جائے۔ خواہ وہ فیصلہ سربراہِ مملکت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اسلامی نظامِ عدل میں تمام انسان برابر ہیں۔ سربراہِ مملکت اور ایک عام مزدور میں کوئی فرق نہیں ہے۔

❁ سربراہِ مملکت تو کجا، دنیا میں سب سے عظیم ہستی سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے، اور اسلام نے عدل وانصاف کے تقاضوں کی خاطر ان کو بھی شریعت سے بالاتر قرار نہیں دیا اور بذاتِ خود نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس نظام عدل سے بالاتر نہیں سمجھا بلکہ ایک موقع پر اپنے آپ کو صحابہ کرامؓ کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا: اگر کوئی شخص مجھ سے بدلہ لینا چاہتا ہے تو لے لے؟ صحابہ کرام میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! ایک بار آپ نے مجھے چھڑی ماری تھی، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے اسے بدلہ لینے کی اجازت دے دی۔ اس صحابی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! جب آپ نے چھڑی ماری تھی تو اس وقت میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا جبکہ آپ کے جسم پر قمیص ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی قمیص اتاری اور فرمایا کہ اب بدلہ لے لو۔ تب وہ صحابی آپ کے جسم کے ساتھ چمٹ گیا اور بوسے لینے لگا اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرا تو یہ مقصد تھا۔ (السنن الکبریٰ از امام بیہقی: ۴۸/۸)

❁ نبی کائنات کو اپنی صاحبزادی بہت محبوب تھیں، لیکن آپ نے عدل وانصاف کے قیام میں بطورِ خاص ان کی مثال دے کر یہ بات بیان فرمائی جو تاریخ عدل کا ایک درخشندہ فرمان ہے۔ سیدہ عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ قبیلہ بنومخزوم کی ایک عورت نے چوری کرلی اور اس کا جرم ثابت ہوگیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم جاری کردیا۔ قبیلے والوں نے سوچا کہ اگر اس عورت کا ہاتھ کٹ گیا تو ہماری ناک کٹ جائے گی اور ہم تمام قبائل میں رُسوا ہوجائیں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کے محبوب سیدنا اُسامہ بن زید کو سفارشی بنا کر بھیجا کہ اس عورت کا جرم معاف کردیا جائے۔ جب سیدنا اُسامہؓ نے نبی کریم ﷺ سے سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا:

www.KitaboSunnat.com

«أتشفع في حد من حدود الله ثم قام فاختطب ثم قال إنما أهلك الذين قبلكم إنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد وأيم الله لو أن فاطمة بنت محمد ﷺ سرقت لقطعتُ يدها» (صحیح بخاری:۳۴۷۵،مسلم:۱۶۸۸)

''کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو! پھر نبی کریم ﷺ کھڑے ہوگئے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں کو اس چیز نے تباہ و برباد کردیا کہ جب ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرلیتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف (کمزور) آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کردیتے۔ اور اللہ کی قسم اگر فاطمہؓ بنتِ محمد ﷺ بھی چوری کرلیتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔''

❁ اسلام کی نامور ہستیاں اور عشرہ مبشرہ بھی اپنے آپ کو قانون سے بالاتر خیال نہیں کرتے تھے، حتی کہ جب انہیں خلافت راشدہ کے مناصب پر فائز کیا گیا، تب بھی ان کا یہ رویہ برقرار رہا اور خلفاے راشدین نے اپنے آپ کو اس نظام عدل سے کبھی بالاتر نہ سمجھا اور اپنی ذات کو قانون وشریعت سے مستثنیٰ نہ رکھا کیونکہ قرآن وسنت میں اس کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ ایک موقع پر امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطابؓ نمازِ جمعہ کے لیے کپڑے پہن کر جارہے تھے۔ جب سیدنا عباسؓ کے گھر کے پاس سے گزرے تو راستے میں لگے ان کے گھر کے پرنالے سے گرنے والے پرندوں کے خون سے ان کے کپڑے خراب ہوگئے۔ حضرت عمرؓ نے اس پرنالے کو اُکھاڑنے کا حکم دے دیا اور گھر واپس لوٹ گئے اور متبادل کپڑے پہن کر آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ سیدنا عباسؓ، امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کے پاس آئے اور کہا: «والله إنه للموضع الَّذي وضعه النبي»

''اللہ کی قسم! یہ پرنالہ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ لگایا تھا۔''

سیدنا عمرؓ نے یہ سنتے ہی حضرت عباسؓ کو قسم دیتے ہوئے کہا: تم لازماً میری کمر پر چڑھ کر اس پرنالے کو وہیں نصب کردو جہاں سے اُکھاڑا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عباسؓ نے ایسا ہی کیا۔ [مسند احمد بن حنبل:۱۷۹۰، قال الارنؤوط:حسن]

◉ ایک موقع پر امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطابؓ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم

www.KitaboSunnat.com

اتنے زیادہ حق مہر کیوں مقرر کر رہے ہو، حالانکہ نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ چار سو درہم یا اس سے کم حق مہر مقرر کیا کرتے تھے۔ اگر زیادہ حق مہر مقرر کرنا عزت وتکریم کا باعث ہوتا تو تم ان سے سبقت نہ لے جاسکتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کس نے چار سو درہم سے زیادہ حق مہر مقرر کیا ہو۔ یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے اُتر آئے۔ ایک قریشی عورت کھڑی ہوگئی اور کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ عورتوں کا حق مہر مقرر کرنا چاہتے ہیں تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ہاں! تو اس عورت نے کہا: کیا آپ نے قرآنِ مجید کی یہ آیت نہیں سنی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا﴾ (النساء:۲۰) ''خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔''

یہ سنتے ہی سیدنا عمرؓ نے استغفار کیا اور کہا کہ ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے۔ دوبارہ منبر پر چڑھے اور فرمایا: میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ حق مہر دینے سے منع کیا تھا۔ اب جو جتنا چاہے، اپنے مال سے حق مہر دے سکتا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: «امرأة أصابت ورجل أخطا» ''عورت نے درستگی کو پالیا جبکہ مرد نے خطا کی ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر برسورۃ النساء:۲۰)

◉ معروف واقعہ ہے کہ ایک دفعہ امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ اور سیدنا اُبی بن کعبؓ کے درمیان کسی شے پر اختلاف ہوگیا۔ ان دونوں صحابہ کرامؓ نے سیدنا زید بن ثابتؓ کو منصف مقرر کرلیا کہ جو وہ فیصلہ کریں گے وہ ہمیں قبول ہے۔ چنانچہ دونوں صحابہ کرامؓ سیدنا زید بن ثابت کے گھر گئے اور ان کے سامنے اپنا کیس رکھا۔ سیدنا زید بن ثابتؓ نے امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کے احترام میں اُنہیں اپنے ساتھ بستر پر بٹھانا چاہا۔ مگر انہوں نے انکار کردیا اور کہا کہ میں اپنے فریق کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔ چنانچہ دونوں صحابہ کرامؓ (مدعی اور مدعا علیہ) سیدنا زید بن ثابتؓ کے سامنے بیٹھ گئے۔ سیدنا اُبی بن کعبؓ نے اپنا دعویٰ پیش کیا جبکہ سیدنا عمرؓ بن خطاب نے اس دعویٰ کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ سیدنا زید بن ثابتؓ نے سیدنا اُبی بن کعبؓ سے کہا: آپ امیر المؤمنین سے درگزر فرمائیں اور اپنا دعویٰ واپس لے لیں۔ شرعی ضابطے کے مطابق حضرت زیدؓ کو سیدنا عمرؓ بن خطاب سے قسم لینا چاہیے تھی لیکن

www.KitaboSunnat.com

اُنہوں نے احتراماً اس سے احتراز و تامل کیا تو حضرت عمرؓ نے خود قسم اُٹھائی اور فرمایا: اللہ کی قسم! زیدؓ اس وقت تک منصبِ قضا کے لائق نہیں ہوسکتے جب تک ان کے نزدیک امیر المؤمنین عمرؓ اور ایک عام مسلمان برابر نہ ہو۔ (السنن الکبری از بیہقی: ۱۰/۱۳۶)

❁ خلفاے راشدین جہاں اپنے آپ کو کسی آئین و قانون سے بالاتر نہ سمجھتے تھے، وہیں تمام مسلمانوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتے۔ شرفا اور عام مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اگر کسی حکومتی عہدیدار کے خلاف کوئی شکایت ملتی تو فوراً اس کی تحقیق کرتے اور ذمہ داران کو سزا دیتے۔ حتیٰ کہ اگر کسی حکومتی عہدیدار پر کوئی تہمت ہی لگ جاتی تو فوراً اسے معزول کردیتے تاکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکے اور اس کا عہدہ عدل کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔

ایک موقع پر امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ نے تمام گورنروں کو حج کے موقع پر طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہوکر اعلان فرمادیا کہ اگر کسی مسلمان کو ان کے خلاف ظلم کی کوئی شکایت ہو تو وہ پیش کرے۔ مجمع میں سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے کہا کہ آپ کے گورنر عمرو بن عاصؓ نے مجھے ناحق سو کوڑے لگوائے ہیں، میں ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ خلیفہ وقت نے کہا کہ اُٹھو اور اپنا بدلہ لے لو۔ عمرو بن عاصؓ نے کہا: اے امیر المؤمنین: آپ گورنروں کے خلاف یہ راستہ نہ کھولیں۔ مگر سیدنا عمرؓ نے فرمایا: میں نے خود نبی کریم ﷺ کو اپنے آپ سے بدلہ لیتے دیکھا ہے۔ اے شخص اُٹھ اور اپنا بدلہ لے۔ آخر کار حضرت عمرو بن عاصؓ کو ہر کوڑے کے بدلے میں دو، دو اشرفیاں دے کر جان بچانا پڑی۔

(کتاب الخراج از امام ابو یوسفؒ)

◉ امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ اہل کوفہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کی عدالت میں کوفہ کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کی شکایت کی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سیدنا سعدؓ کو معزول کرکے ان کی جگہ حضرت عمارؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کردیا۔ اہل کوفہ نے حضرت سعدؓ کے خلاف شکایت یہاں تک کی تھی کہ وہ نماز بھی اچھی طرح سے نہیں پڑھاتے۔

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا اور پوچھا: اے ابواسحٰق! یہ کوفہ والے شکایت کرتے ہیں کہ آپ اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھا سکتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں اُنہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھایا کرتا تھا اور اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا تھا۔ عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت لمبی کرتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے ابواسحٰقؓ! آپ کے بارے میں میرا یہی گمان ہے۔

پھر حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ ایک آدمی کوفہ روانہ کیا۔ اُنہوں نے ساری مسجدوں میں گھوم کر اہل کوفہ سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے متعلق پوچھا اور سب نے ان کے متعلق تعریفی کلمات کہے۔ لیکن بنوعبس کی مسجد میں ابوسعد، اسامہ بن قتیبہ نامی شخص نے کہا: جب آپ ہمیں قسم دیتے ہیں تو ہماری شکایت ہے کہ سعد جنگ میں نہیں جاتے تھے، مالِ غنیمت برابر تقسیم نہیں کرتے تھے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس کی بات سن کر کہا: اللہ کی قسم! تم نے تین جھوٹی شکایتیں کی ہیں، میں بھی تجھے تین دعائیں دیتا ہوں:

اللهم إن كان عبدك هٰذا كاذبًا قام رياء وسمعة فأطل عمره وأطل فقره وعرضه للفتن

''اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور اس نے ریاکاری اور شہرت کے لیے میری شکایت کی ہے تو اس کی عمر لمبی کر، اس کو فقر میں مبتلا کر اور اسے فتنوں میں مبتلا کر دے۔''

(اس آدمی کو حضرت سعد کی بددعا لگ گئی) جب اس سے پوچھا جاتا تو وہ کہتا: بوڑھا آدمی ہوں، آزمائش میں ڈالا گیا ہوں۔ سعد کی بددعا مجھے لگ گئی ہے۔ عبدالملک (ایک راوی) کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے اس آدمی کو دیکھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی پلکیں گر چکی تھیں اور وہ راستوں میں لڑکیوں کو آنکھیں مارتا تھا۔ [صحیح بخاری:۷۵۵]

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کے گورنر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بالکل بے قصور تھے اور ان پر لگائی تہمت جھوٹی تھی۔ لیکن اس کے باوجود سیدنا عمرؓ نے عدل کے تقاضوں کو پورا

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے اُنہیں معزول کر دیا اور حضرت سعد کے بارے میں اچھا گمان رکھنے کے باوجود اس تہمت کی تحقیق کروائی۔

☆ ایسا ہی ایک اور واقعہ عہد عمرؓ میں پیش آیا، سیدنا عمرؓ مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما تھے، ان کے پاس سے ایک آدمی گزرا جو کہہ رہا تھا۔ ویل لك یا عمر من النار ''اے عمر! تمہارے لیے جہنم کا 'ویل' ہے۔'' سیدنا عمرؓ نے حاضرین میں سے کچھ لوگوں کو کہا کہ اس آدمی کو میرے پاس لاؤ۔ جب اس آدمی کو لایا گیا تو سیدنا عمرؓ نے پوچھا۔ تم نے یہ بات کیوں کہی ہے، وہ کہنے لگا۔ آپ حکام مقرر کرتے وقت اس سے شرائط قبول تو کرواتے ہیں مگر ان کا محاسبہ نہیں کرتے کہ اُنہوں نے شرائط پوری کی ہیں یا نہیں۔ امیر المؤمنین نے پوچھا بات کیا ہے۔ اس نے بتایا: آپ کے مصری گورنر نے ان شرائط کو فراموش کر دیا ہے اور آپ کے منع کردہ اُمور کا ارتکاب کیا ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے شکایات سننے کے فوراً بعد دو انصاری صحابہ کو مصر روانہ کیا کہ وہاں جا کر تفتیش کرو۔ اگر اس آدمی کی بات درست نکلے تو اسی وقت اسے گرفتار کر کے میری خدمت میں پہنچو۔ چنانچہ اُنہوں نے مصر کے گورنر کو گرفتار کر لیا اور امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کی خدمت میں لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا کیونکہ مصر کا حاکم بن کر جانے سے قبل وہ گندمی رنگ کا تھا مگر جب مصر کی سرسبزی و شادابی اسے راس آئی تو وہ گورا چٹا اور بھاری بھرکم انسان بن چکا تھا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: تیرا ستیاناس ہو۔ جس بات سے تجھے منع کیا گیا اس کو تو نے گلے لگا لیا مگر جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس کو فراموش کر بیٹھا۔ اللہ کی قسم! میں تجھے ضرور عبرتناک سزا دوں گا۔

پھر امیر المؤمنین نے اون کا ایک پھٹا ہوا لباس، ایک لاٹھی اور صدقے میں آئی ہوئی تین سو بکریاں منگوا کر اس 'حاکم مصر' سے فرمایا۔ یہ لباس پہنو، میں نے تمہارے باپ کو اس سے بھی ردّی لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ لاٹھی اُٹھاؤ جو تمہارے باپ کی لاٹھی سے بہتر ہے اور فلاں چراگاہ میں جا کر ان بکریوں کو چراؤ۔

وہ آدمی فوراً زمین پر گر گیا اور کہنے لگا۔ اے امیر المؤمنین! یہ کام مجھ سے نہیں

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا، چاہے آپ میری گردن اُڑا دیں۔ امیرالمؤمنین نے فرمایا: فإن رددتك فأي رجل تكون؟ ''اگر میں تمہیں گذشتہ منصب پر بحال کردوں تو پھر تم کس طرح کے آدمی ہوگے؟ اس نے کہا: واللہ! لا يبلغك بعدها إلا ما تحب

''اللہ کی قسم! اب اس کے بعد آپ کو وہی رپورٹ ملے گی جو آپ پسند کریں گے۔''

چنانچہ اس کے بعد وہ آدمی مصر کا ایک مثالی گورنر بن گیا اور اپنی ذمہ داریاں خوف وتقویٰ اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ انجام دینے لگا۔

[قصص العرب:۳/۱۶، ابن ابی الحدید:۳/۹۸ بحوالہ 'سنہرے فیصلے' از عبدالمالک مجاہد:۱۸]

◉ اسلامی عدالتوں کا عدل و انصاف پر مبنی ایسا ہی ایک واقعہ سیدنا علیؓ کے عہد میں پیش آیا۔ جس میں سربراہِ حکومت سیدنا علیؓ بطورِ ایک فریق عدالت میں حاضر ہوئے اور گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں ان کے خلاف فیصلہ صادر کردیا گیا جس کو اُنہوں نے برضا وخوشی قبول کرلیا۔

ہوا یوں کہ ایک دن امیرالمؤمنین سیدنا علیؓ کی زرہ گم ہوگئی۔ آپ نے وہ زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی اور اس یہودی کو کہا کہ یہ میری زرہ ہے، فلاں دن گم ہوگئی تھی جبکہ یہودی نے مسلمانوں کے خلیفہ امیرالمؤمنین سیدنا علیؓ کا دعویٰ درست ماننے سے انکار کردیا اور کہا کہ اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی۔ چنانچہ سیدنا علیؓ اور وہ یہودی دونوں فیصلے کے لیے قاضی شریحؒ کی عدالت میں پہنچے۔ سیدنا علیؓ نے اپنا دعویٰ پیش کیا کہ یہودی کے پاس زرہ، میری ہے جو فلاں دن گم ہوگئی تھی۔

قاضی نے یہودی سے پوچھا: آپ نے کچھ کہنا ہے۔

یہودی نے کہا: میری زرہ میرے قبضے میں ہے اور میری ملکیت ہے۔

قاضی شریح نے زرہ دیکھی اور یوں گویا ہوئے۔ اللہ کی قسم! اے امیرالمؤمنین! آپ کا دعویٰ بالکل سچ ہے۔ یہ زرہ آپ ہی کی ہے لیکن قانون کے تقاضوں کو پورا کرنا آپ پر واجب ہے۔ قانون کے مطابق آپ گواہ پیش کریں۔ سیدنا علیؓ نے بطورِ گواہ اپنے غلام قنبر کو پیش کیا۔ پھر آپ نے اپنے دو بیٹوں حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو عدالت میں پیش

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ اُنہوں نے بھی آپ کے حق میں گواہی دی۔ قاضی شریح نے کہا: میں آپ کے غلام کی گواہی تو قبول کرتا ہوں مگر ایک گواہ مزید درکار ہے، کیونکہ آپ کے حق میں آپ کے بیٹوں کی گواہی ناقابل قبول ہے۔

حضرت علیؓ نے کہا: میں نے عمر بن خطابؓ کو رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے: «إن الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة»

''حسنؓ و حسینؓ نوجوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں۔''

قاضی شریح نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بالکل حق ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: تو پھر آپ ان کی گواہی قبول کیوں نہیں کرتے؟

قاضی شریح نے کہا: یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں اور باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قبول نہیں۔ یہ کہہ کر قاضی شریح نے امیر المؤمنین سیدنا علیؓ کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا اور زرہ یہودی کے حوالے کر دی۔

یہودی نے تعجب سے کہا: مسلمانوں کا حکمران مجھے اپنے قاضی کی عدالت میں لایا اور قاضی نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ صادر فرمایا دیا، اور امیر المؤمنین نے اس کا فیصلہ بلا چوں و چرا قبول بھی کر لیا۔ واللہ یہ تو پیغمبرانہ عدل ہے۔ پھر یہودی نے امیر المؤمنین سیدنا علیؓ کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہنے لگا۔ امیر المؤمنین! آپ کا دعویٰ بالکل سچ ہے۔ یہ زرہ یقیناً آپ ہی کی ہے۔ فلاں دن یہ آپ کے اونٹ سے گر گئی تھی تو میں نے اسے اٹھا لیا۔ چنانچہ وہ یہودی اس عادلانہ فیصلے سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

(حلية الأولياء از ابن الجوزی، کنز العمال: رقم ۱۷۷۹۰)

❁ حکمرانوں اور رعایا کے درمیان نظامِ عدل اور قانونی مساوات کا یہ سلسلہ خلافتِ راشدہ کے بعد دورِ ملوکیت تک پوری آن بان کے ساتھ جاری رہا۔ حکمران عدالتوں میں پیش ہوتے رہے اور قانون کا سامنا کرتے رہے۔

☆ عتیبی کہتے ہیں کہ میں اُموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے قاضی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں قاضی کی عدالت میں دو آدمی حاضر ہوئے۔ ایک ابراہیم بن محمد تھا اور دوسرا

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ ہشام کا درباری سپاہی۔ دونوں عدالت میں پہنچ کر قاضی کے سامنے بیٹھ گئے۔ درباری سپاہی بولا: قاضی صاحب! امیر المؤمنین اور ابراہیم کے درمیان ایک تنازعہ ہے۔ امیر المؤمنین نے مجھے اپنی نیابت کے لیے بھیجا ہے۔ قاضی نے کہا: تمہاری نیابت پر دو گواہ مطلوب ہیں۔ درباری سپاہی بولا: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین کی طرف سے کچھ جھوٹ بولوں گا، حالانکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی دور کا فاصلہ نہیں ہے۔ میں ان کا قریبی سپاہی ہوں۔ قاضی نے کہا: شہادت کے بغیر نہ تمہارے حق میں مقدمہ ہوسکتا ہے اور نہ تمہارے خلاف۔

قاضی کا دوٹوک کلام سن کر درباری سپاہی عدالت سے نکل گیا اور خلیفہ کی خدمت میں پہنچ کر پوری داستان کہہ سنائی۔ خلیفہ اُٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ عدالت کے باہر موجود تھا۔ عدالت کا دروازہ کھلتے ہی درباری سپاہی آگے بڑھا اور بولا: قاضی صاحب! یہ دیکھیں امیر المؤمنین حاضر ہیں۔ خلیفہ ہشام کو دیکھتے ہی قاضی صاحب استقبال کے لیے کھڑے ہوگئے مگر خلیفہ نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی نے ایک مصلیٰ بچھایا، اس پر خلیفہ اور اس کا مقابل ابراہیم بن محمد بیٹھ گئے۔

عتیبی بیان کرتے ہیں کہ ہم حاضرین اس قضیے سے متعلق ہونے والی گفتگو صاف صاف نہیں سن رہے تھے۔ البتہ کچھ باتیں ہمیں سمجھ آ رہی تھیں۔ فریقین نے اپنے اپنے دلائل پیش کئے۔ قاضی نے مفصل گفتگو سننے کے بعد خلیفہ ہشام کے خلاف فیصلہ دے دیا۔

[قصص العرب: ۳/۴۷، القصد الفرید: ۴/۴۴۷]

◉ فضل بن ربیع، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ کے پاس خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے بحیثیتِ گواہ حاضر ہوا لیکن قاضی نے اس کی گواہی مسترد کردی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے پوچھا: فضل کی گواہی کو آپ نے کیوں ردّ کردیا ہے؟ قاضی ابو یوسف نے کہا: میں نے اسے ایک دن آپ کی مجلس میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ آپ کا غلام ہے۔ چنانچہ اگر وہ اپنے قول میں صادق ہے تو اس کی شہادت ناقابل قبول ہے، کیونکہ بقول خود وہ غلام ہے اور اگر وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے تو اس صورت میں بھی اس کی گواہی ناقابل

www.KitaboSunnat.com

قبول ہے۔ کیونکہ جب وہ آپ کی مجلس میں جھوٹ بولنے کی پرواہ نہیں کرتا، تو بدرجہ اولیٰ وہ مجلس قضا میں بھی جھوٹ کی پرواہ نہیں کرے گا۔

خلیفہ نے جب قاضی ابو یوسف کا یہ مدلل کلام سنا تو اُنہیں معذور جانا اور اس فیصلے پر ان کی تائید کی۔ [تاریخ بغداد: ۱۲/۳۴۳، ۳۴۴]

◉ ایک موقعہ پر اہل سمرقند نے اسلامی لشکر کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف اسلامی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی نے مسجد کے ایک کونے میں اپنی نشست سنبھالی اور کارروائی کا آغاز کر دیا۔ قاضی کا غلام اس کے سر پر کھڑا ہے۔ بغیر کسی لقب کے امیر لشکر کا نام لے کر بلایا جا رہا ہے کہ وہ حاضر ہو۔ امیر لشکر فاتح سمرقند قتیبہ بن مسلم حاضر ہوا۔ عدالت نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اہل سمرقند کے سردار کاہن کو بلوایا اور فریق اول کے ساتھ بٹھا دیا۔ عدالت کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔

قاضی اپنی نہایت پست آواز میں کاہن سے مخاطب ہے: بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا: آپ کا کمانڈر قتیبہ بن مسلم ہمارے ملک میں دھوکے سے داخل ہوا ہے۔ اعلانِ جنگ نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں اسلام کی دعوت دی ہے۔ قاضی نے امیر کی طرف دیکھا اور پوچھا: تم کیا کہتے ہو؟

امیر لشکر نے قاضی سے کہا: لڑائی تو دھوکہ ہوتی ہے۔ یہ ملک بہت بڑا ملک ہے اس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے شرک و کفر سے محفوظ فرمایا ہے اور اسے مسلمانوں کی وراثت اور ملکیت میں دے دیا ہے۔

قاضی نے پوچھا: کیا تم نے حملے سے پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دی تھی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا یا دونوں صورتوں میں انکار پر لڑائی کی دعوت دی تھی۔

سپہ سالار نے کہا: نہیں ایسا تو نہیں ہوا۔ قاضی نے کہا: تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ اب آگے قاضی صاحب کے الفاظ پر غور کریں، فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی مدد اس لیے کی ہے کہ اس نے دین کی اتباع کی اور دھوکہ دہی سے اجتناب کیا۔ اللہ کی قسم! ہم اپنے گھروں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں۔ ہمارا

www.KitaboSunnat.com

مقصود زمین پر قبضہ جمانا نہیں اور نہ حق کے بغیر وہاں حکومت کرنا مقصود ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ مسلمان اس شہر سے نکل جائیں اور شہر اس کے اصل باشندوں کے حوالے کردیں۔ ان کو دعوتِ دین دیں، جنگ کا چیلنج کریں اور ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔''

اہل سمرقند نے اس فیصلے کو سنا۔ اُن کے کانوں اور آنکھوں نے جو سنا اور دیکھا، اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد شروع ہو چکا تھا اور فوجیں واپس جارہی تھیں۔ وہ اَفواج جن کے سامنے مدینہ سے لے کر سمرقند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔ جنہوں نے قیصر و کسریٰ اور خاقان کی قوتوں کو پاش پاش کر کے رکھا دیا۔ جو رکاوٹ بھی راستے میں آئی، اسے خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئے۔ مگر آج اسلامی فوج ایک کمزور، نحیف ونزار جسم کے مالک قاضی کے فیصلے کے سامنے دست بردار ہوگئی۔ آج صبح کی بات ہے کہ ایک شخص جس کے ساتھ صرف ایک غلام ہے۔ اس نے مقدمے کی سماعت کی، چند منٹوں کی سماعت، عدالت میں دوطرفہ بیانات سنے، سپہ سالار کا اقرار اور دو تین فقروں پر مشتمل فیصلہ۔

اس عادلانہ فیصلے کو دیکھ کر اہل سمرقند نے اسلامی فوج کے راستے روک لئے، گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں کہ ہمارے اس ملک سے واپس مت جائیں۔ ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ پھر چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا کہ سمرقند کی گلیاں اور چوک اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اُٹھے۔ لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے اور اس طرح سمرقند کی زمین اسلام کی دولت میں داخل ہوگئی۔ (قصص من التاریخ از شیخ علی طنطاوی)

❁ عہدِ اسلام کے اس زرّیں دور میں بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ سربراہِ مملکت اور حکمران عدالت میں بطورِ گواہ حاضر ہوتا ہے مگر اس کی گواہی کو مسترد کردیا جاتا ہے۔ اسی دور کی ایک عدالت کا نقشہ کچھ یوں ہے:

قسطنطنیہ مسلمانوں کی سلطنتِ عثمانیہ کا دارالحکومت، آج کل استنبول کہلاتا ہے، جہاں عدالت لگی ہوئی ہے۔ قاضی شمس الدین محمد حمزہ کرسیٔ عدالت پر براجمان ہیں۔ مقدمہ پیش ہوا۔ قاضی نے گواہان کی فہرست دیکھی۔ اس کے اندر حاکم وقت سلطان

www.KitaboSunnat.com

بایزید کا نام بھی شامل ہے۔ سامنے دیکھا تو وہ گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا ہے۔

اچانک قاضی نے فیصلہ سنا دیا: سلطان بایزید کی گواہی کو مسترد کیا جاتا ہے کیونکہ گواہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ حاکم وقت کی گواہی نا قابل قبول، لوگ حیران وششدر رہ گئے۔

سلطان بایزید نے آگے بڑھ کر قاضی کو مخاطب کیا:

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مجھے گواہی کے قابل کیوں نہیں سمجھا گیا ہے؟

قاضی نے حاکم کی حیثیت اور ہیبت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''گواہ باجماعت نماز ادا نہیں کرتا، اس لیے اس کی گواہی نا قابل قبول ہے۔''

قاضی نے حاکم وقت کی گواہی کو مسترد کرتے ہوئے اسلام کے عدالتی نظام کو وقار اور مزید جلا بخشی اور ثابت کر دیا کہ کرسئ عدالت پر بیٹھ کر چھوٹے اور بڑے میں تمیز نہیں کی جاتی۔

حاکم نے فیصلہ سنا اور اس کے سامنے گردن جھکا دی۔ اپنی کمزوری کا اعتراف کیا اور حکم دیا کہ فی الفور میرے محل کے سامنے ایک خوبصورت سی مسجد بنائی جائے۔ اس مسجد کی اگلی صف میں اپنے لیے جگہ مخصوص کی اور اس کے بعد نمازِ باجماعت سے غفلت کا کبھی مرتکب نہیں ہوا۔ (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: ۱/۶۱، ۶۲)

تاریخ اسلامی ایسے روشن اور عدل و مساوات پر مبنی فیصلوں سے بھری پڑی ہے۔ جہاں حکمران، وزراء، گورنر اور عسکری کمانڈر عدالت میں پیش ہوتے اور قانون وشریعت کا سامنا کرتے اور ان فیصلوں کے سامنے اپنا سر جھکا لیتے تھے۔ یہ اسلام کا ہی امتیاز ہے کہ اس میں قانونی طور پر تمام انسان برابر ہیں۔ سربراہِ حکومت اور ایک عام مسلمان کے حقوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فرامین، صحابہ کرام کے ارشادات اور تاریخ اسلامی کے اس سرسری مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام میں اصل حیثیت اللہ کی شریعت کو حاصل ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کی یہ حاکمیت حکمران وعہدیدار سے بڑھ کر رسول ﷺ اور ان کی آل اولاد تک کو شامل ہے۔ اس میں کوئی استثنا نہیں، کیوں کہ اللہ کی نظر میں سب انسان اس کی

www.KitaboSunnat.com

مخلوق ہیں اور برابر ہیں۔مسلمانوں نے اپنے کردار وعمل سے ہر مرحلہ پر اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔آج کا دورِ زوال اس لئے امہ پر طاری ہوا ہے کہ ہم نے اسلام کے زرّیں اُصول طاقِ نسیاں کردیے اور اسلام پر عمل کرنا ترک کردیا ہے۔

جب کہ انسانوں کا بنایا ہوا نظامِ سیاست جمہوریت، جس کا آج خوب ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، اس میں یہ حاکمیت اللہ کی بجائے عوام کے نمائندوں کو حاصل ہے، اسی لئے وہ قانون سے بالا تر ہیں۔ اسلام اس تصور کو تسلیم نہیں کرتا، یاد رہے کہ اسلامی تاریخ میں حکمرانوں سے باز پرس کی جو مثالیں ملتی ہیں، بعض لوگ نظام خلافت کے علم بردار خلفا کے اس عظیم الشان طرزِ عمل کو جمہوری رویہ قرار دیتے ہوئے عجب خلطِ مبحث کرتے ہیں۔ جبکہ خلفا کی یہ گرفت عوام کے جمہوری/عوامی استحقاق کی بجائے دراصل ان کے خلافِ شریعت عمل کرنے کی کوتاہی کا وبال ہے، جس خلافِ شرع عمل کی نشاندہی کوئی فرد بھی کرسکتا ہے، اگر کوئی نہ بھی کرے تب وہ شخص اللہ کے ہاں مجرم اور سزا وار ہوگا۔ اسلام میں اللہ کی شریعت اور قانون سب سے بالا تر ہیں جس کا اطلاق مسلم قاضی حضرات مسلم خلفا سمیت ہر فرد پر یکساں طور پر کرتے رہے ہیں۔

ہمارے آئین کے اندر موجود سربراہِ مملکت کو حاصل یہ تحفظ اور استثنیٰ عدل و انصاف کے سراسر منافی ہے اور قوانین واحکامِ الٰہیہ کا سراسر مذاق ہے۔مسلمان کے لئے ملکی آئین سے بڑھ کر اللہ کی شریعت یعنی کتاب وسنت ہے، مرتے دم تک جس کی غیر مشروط اطاعت کا اس نے اقرار کیا ہے تو وہ مسلمان ٹھہرا ہے۔

اہل حل وعقد اور اربابِ اقتدار کو عدل و انصاف کے منافی اس قانون کے بارے میں سنجیدگی سے غور وفکر کرنا چاہئے اور اسے تبدیل کیا جانا چاہئے۔جیسا کہ ہمارا دعویٰ ہے ہم ایک اسلامی مملکت کے باشندے اور ہمارا آئین اسلامی ہے۔اگر واقعی ایسا ہے تو ہمیں اس عدل و انصاف کے منافی، امتیازی قانون کو جلد از جلد ختم کردینا چاہئے تاکہ ہم اپنے دعویٰ میں سچے ثابت ہوں۔مملکت میں عدل وانصاف کا بول بالا ہو اور ملک امن وسلامتی کا گہوارہ بن سکے۔

مشہور مقولہ ہے کہ فسق و فجور سے تو حکومت قائم رہ سکتی ہے مگر ظلم سے نہیں!!

(حافظ محمد مصطفیٰ راسخ)

www.KitaboSunnat.com